

اسلامی تہذیب اس کے اصول و مبادی

ایمان

شعبان کے رسالہ میں سلسلہ کلام اس حد تک پہنچا تھا کہ اسلام کی اصطلاح میں ایمان سے مراد اعتقاد، ملامت، کتب، رسل اور یوم آخر پر ایمان لانا ہے اور یہ پانچوں ایمانیات مل کر ایک ناقابل تجزیہ کل بنتا ہیں، یعنی ان کے درمیان ایسا ربط ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک جز کا بھی انکار کیا جائے تو اس سے کل انکار لازم آتا ہے۔ پھر عقلی تنقید کر کے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام جس قسم کی تہذیب قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف یہی امور ایمانیات بن سکتے ہیں۔ اور انہی ایمانیات کی اس کو ضرورت ہے نیز یہ کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو عقلی و علمی ترقی کا ساتھ نہ دے سکتی ہو۔

اب ہم تیسرے سوال کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں ایمان کی کیا حیثیت ہے؟ اور حیثیت کیوں ہے؟ اس سلسلہ کو سمجھنے میں لوگوں نے بکثرت غلطیاں کی ہیں، اور بعض شہور اہل علم و فضل اصحاب بھی اس میں ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ اس لئے اس کو ذرا بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔ اسلام میں ایمان کی اہمیت اگر سوال کیا جائے کہ قرآن مجید کی دعوت کا اصل، الاصول کیا ہے تو اس کا جواب صرف ایک لفظ میں دیا جاسکتا ہے، اور وہ ایمان ہے۔ قرآن کے نزول اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی ایمان کی طرف دعوت دینا ہے۔ قرآن اپنے لانے والے کے متعلق صاف کہتا ہے کہ وہ ایمان کا مادی ہے۔ رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِيكَ وَنَا (الباقیہ) (۲۰: ۲) اور خود اپنے متعلق اعلان کرتا ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھا رہا جو غیب کی باتوں (یعنی نبی

ایمانیات پر یقین لانے کے لئے طیار ہوں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (۲: ۱۱) وہ وعظمتے تلقین سے، وعدہ وعید سے، بحث و استدلال سے، قصص و حکایات سے اسی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ انسان سے اس کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد وہ تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق اور وضع قوانین مدنی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس کے نزدیک ایمان ہی حق، صدق، علم، ہدٰی اور نور ہے۔ اور عدم ایمان یعنی کفر کو وہ جہل، ظلم، باطل، کذب، ظلمت، اور ضلالت قرار دیتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایک واضح خطا فصل کھینچ کر تمام دنیا کے اذنانوں کو دو گروہوں پر تقسیم کر دیا ہے ایک گروہ ایمان لانے والوں کا، اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ پہلا گروہ اس کے نزدیک حق پر ہے، علم اور نور سے بہرہ ور ہے، اس کے لئے ہدایت کا راستہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا دروازہ کھل گیا ہے، اور وہی فلاح پانے والا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے نزدیک کاف ہے، ظالم ہے جاہل ہے، تاریکی میں پھنسا ہوا ہے، ہدایت کی راہیں اس کے لئے بند ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اور اس پر خسران و نامرادی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ان دونوں طبقوں کی مثال اس طرح دیتا ہے کہ ان میں سے ایک اندھا اور بہرا ہے، اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔ مَثَلُ

الْفَرِيقَيْنِ كَالْآعْمَىٰ وَالْأَبْصِرِ وَالسَّمِيعِ (۲: ۱۱) وہ کہتا ہے کہ ایمان کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۲: ۵) اور اس کے سوا جتنے راستے ہیں سب کا چھوڑ دینا ضروری ہے، وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا

السُّبُلَ (۲: ۱۹) اس نے ہر کسی لاگ لپٹ کے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو مانتا ہے اس کے پاس ایک روشن چراغ ہے جس کی مدد سے وہ سیدھے رستے پر چل سکتا ہے اس چراغ کی موجودگی میں اس کے لئے بھٹاک جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہے وہ راہِ راست کو ٹیڑھے راستوں سے متنازعہ کر کے دیکھ لے گا، اور جو فلاح کی منزل مقصود تک پہنچ جائیگا۔ اور جو ایمان کی شمع نہیں رکھتا اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہے اس کے لئے سیدھے

اور تیرے راستوں کا فرق معلوم کرنا مشکل ہے۔ وہ اندھوں کی طرح اندھیرے میں اٹھل سے ٹوٹل
اٹھل کر چلیگا، ممکن ہے کہ اتفاقاً اس کا کوئی قدم سیدھے راستہ پر بھی پڑ جائے۔ مگر یہ راہ راست پر
چلنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے۔ غالب امکان اسی کا ہے کہ راہ راست سے ہٹ جائے گا یا
خندق میں گرے گا۔ اور کہیں کانٹوں میں جا پھنسے گا۔ پہلے گروہ کے متعلق اس کا قول ہے کہ۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ
وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ
هُمْ الْمُقِلُّونَ (۴: ۱۹)

پس جو لوگ رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس
کی مدد و حمایت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے
ساتھ اتارا گیا ہے وہی دراصل فلاح پانے والے ہیں

اور:-

اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ
كَفْلَيْنِ مِنْ تَرْحُمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ تَوْرًا
تَشُونُ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (۴: ۵۷)

لوگو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ
(اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تم کو اپنی رحمت دے گا
حصہ دیگا اور تمہارے لیے ایسی روشنی کر دیگا جس
میں تم چلو گے اور تم کو بخش دیگا۔

اور دوسرے گروہ کے متعلق کہتا ہے:-

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ
وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۱۰: ۷)

جو لوگ خدا کے سوا دوسرے شرکار کو پکارتے ہیں
جانتے ہو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں؟ وہ صرف گمان
کی پیروی کرتے اور محض اٹھل پر چلتے ہیں۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي
مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۲: ۵۳)

وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان کا حلال
یہ ہے کہ وہ حق کی ہدایت سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا
اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت

هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۵: ۲۸)
اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کی؟ اللہ ایسے لوگوں کو کبھی سیدھا راستہ نہیں دکھاتا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (۵: ۲۴)
اور جس کو اللہ نے روشنی ندی ہو اس کے لئے کونسی روشنی نہیں۔

اس پورے مضمون کی تصریح سورہ بقرہ میں ملتی ہے۔ جس سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان اور کفر کے فرق سے نوع بشری کے ان دونوں گروہوں میں کتنا عظیم فرق واقع ہو جاتا ہے۔ لَا الْكِرَاءَ فِي الدِّينِ، قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ، فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔
دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے الگ کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ اب جو طاغوت کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط مقام فی ثبوت والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے گا اور جو کافر ہیں ان کے مددگار شیطان ہیں۔ وہ ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ وہ دوزخی ہیں۔ اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳۴: ۲)

عمل پر ایمان کا تقاضا | پھر اسی ایمان اور کفر کے بنیادی فرق نے انسانی اعمال کے درمیان بھی فرق کر دیا ہے قرآن کے نزدیک نیک و بد اور پرہیزگار و فاسق کا فرق ہے جو ایمان لائے۔ ایمان کے بغیر کسی عمل پر بھی تقویٰ اور صلاح کا اطلاق نہیں ہوتا، خواہ اہل دنیا کی نگاہ میں وہ عمل کتنا ہی نیک ہو۔

وہ کہتا ہے کہ :-

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ
أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (۴: ۳۹)
هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ - (۱: ۲)

اور جو شخص سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی
تصدیق کی، بس وہی لوگ متقی ہیں۔
قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے جو غیب کی باتوں
ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے اور ہمارے بخشے
ہوے مال کو خرچ کرتے ہیں اور جو اس کتاب پر ایمان
لاتے ہیں جو تیرے اوپر اتاری گئی ہے اور ان کتابوں
پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل کیا چکی ہیں اور جو آخرت پر یقین

پس قرآن کی نگاہ میں ایمان ہی تقویٰ کی جڑ اور پرہیزگاری کی اصل ہے۔ جو شخص ایمان لاتا
ہے اس کے نیک اعمال اس طرح پھلتے اور پھولتے ہیں جس طرح اچھی زمین، اور اچھی آب و ہوا میں باغبان
کے لگائے ہوئے درخت سرسبز ہوتے اور پھل پھول لاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو شخص ایمان کے
بغیر عمل کرتا ہے وہ گویا ایک بنجر پتھر لی زمین اور خراب آب و ہوا میں باغ لگاتا ہے یہی وجہ ہے کہ
قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے، اور کہیں بھی نرے حسن عمل کو، ایمان کے
بغیر نجات اور فلاح کا ذریعہ قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ اگر آپ قرآن کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو
معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے جس قدر اخلاقی ہدایات اور قانونی احکام دیے ہیں ان سب کے مخاطب
صرف وہ لوگ ہیں، جو ایمان لائے ہیں۔ اس قسم کی تمام آیات یا تو یٰٰتِہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع
ہوتی ہیں یا اشار بیان میں کسی نہ کسی طور سے تصریح کر دی گئی ہے کہ خطاب صرف مومنین سے ہے۔ باقی رہے

۱۔ مضمون قریب قریب اسی تمثیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ رکوع ۳۶ -

۲۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں آیات: ۳: ۲ - ۹: ۲ - ۳۸: ۲ - ۴۷: ۲ - ۲: ۵ - ۲: ۱۱ - ۲: ۱۶ - ۱۳: ۲۰ -

۶: ۲ - ۹۵ - ۱۰۳ - ان حوالوں میں پہلا نمبر سورہ کا ہے دوسرا رکوع کا۔

کفار تو ان کو حسن عمل کی نہیں، صرف ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ مومن نہیں ہیں ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے وہ بے وزن ہیں، بے حقیقت ہیں اور قطعاً ضائع ہو جانے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّالِمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا (۲۴: ۵)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چیل میدان میں سراب پیسا سا دور سے دیکھ کر سمجھتا ہے کہ پانی ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ نہیں ملتا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا
الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ
وَلِقَاءِهِمْ فَنَجَبُوا أَعْمَالَهُمْ فَلَا يُنْقِضُ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَنَرْنَاهُ أَذْلًا جَرَادًا
جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا
آيَتِي وَرُسُلِي هُزُؤًا (۱۸: ۱۲)

ان سے کہو، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون لوگ سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں بیکار صرف ہو گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور تسلیم نہ کیا کہ انہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وجہ سے ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کو کوئی وزن نہ دیں گے اور وہ دوزخ میں جائیں گے بدلے۔

ہے اس کا کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو مضحکہ بنالیا۔

یہی مضمون سورہ مائدہ (۱)، النعام (۱)، اعراف (۱۴)، توبہ (۳)، ہود (۲)، احزاب (۲)، زمرہ (۱)،

محمد (۱) میں بیان ہوا ہے اور سورہ توبہ میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ جو کافر نیک عمل کرتا ہے وہ مومن کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

أَجْعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کو آباد

کُنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهِدْ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ -
الَّذِينَ اصْنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْفَائِزُونَ (۳:۹)

رکھنے والے کا مرتبہ اس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ
اور یوم آخر پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد
کیا؟ یہ دونوں اللہ کے نزدیک ہرگز برابر نہیں اور اللہ
ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور
جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان مال
سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں
اور وہی کامیاب ہیں۔

خلاصہ اس بیان سے اور قرآن مجید کی ان آیات سے جو اس کی تائید میں پیش کی گئی ہیں چند امور غیر
طور پر ثابت ہوتے ہیں:-

- ۱۔ ایمان، نظام اسلامی کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی پر اس نظام کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور کفر و
اسلام کا امتیاز صرف ایمان و عدم ایمان کے بنیادی فرق پر مبنی ہے۔
- ۲۔ انسان سے اسلام کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے۔ اس مطالبہ کو قبول کرنے والا دائرہ
اسلام میں داخل ہے، اور تمام اخلاقی احکام اور مدنی قوانین اسی کے لئے ہیں، اور جو اس مطالبہ کو رد کردے
وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اس سے نہ کوئی اخلاقی حکم متعلق ہوتا ہے اور نہ کوئی مدنی قانون۔
- ۳۔ اسلام کے نزدیک ایمان ہی عمل کی جڑ ہے۔ صرف وہی عمل اس کی نچاد میں قدر قیمت اور وزن
رکھتا ہے جو ایمان کی بنیاد پر ہو۔ اور جہاں سرے سے یہ بنیاد ہی موجود نہ ہو وہاں تمام اعمال بے اصل اور
بے وزن ہیں۔

ایک اعتراض ایمان کی یہ اہمیت بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں کہ چند عقائد و نظریات کا
ماننا کوئی ایسی جوہریت نہیں رکھتا کہ اس کی بنیاد پر نوع انسانی کو دو گروہوں پر تقسیم کیا جائے، ہر نزدیک

اصل چیز اخلاق سیرت اور کردار ہے اور اسی پر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کا امتیاز قائم ہے، جو شخص عمدہ اخلاق، پاک سیرت، نیک کردار رکھتا ہو وہ خواہ ان نظریات کو جنہیں اسلام نے ایمانیات قرار دیا ہے تسلیم کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، بہر حال ہم اس کو نیک کہیں گے متقین کے گروہ میں شمار کریں گے اور جس میں یہ صفات نہیں ہیں اس کے لئے ایمان اور کفر کا اعتقاد ہی فرق بالکل بے اصل ہے۔ وہ خواہ کسی عقیدہ کا قائل ہو ہم اس کو بُرا ہی کہیں گے۔ نیک اور متقی کبھی نہ کہیں گے۔ رہی یہ بات کہ اعمال کے وزن اور ان کی قدر و قیمت کا انحصار ایمان پر ہے، اور یہ کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح نہیں ہو سکتا، تو یہ عمل نظر ہے، کسی دلیل عقلی کے بغیر یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ محض خدا یا رسول، یا کتاب یا قیامت کے متعلق اسلام سے مختلف عقیدہ رکھنے والے کے فضائل اخلاق اور اعمال حسنہ صنائع ہو جاتے ہیں؟ اگر اسلام کسی عقیدہ کو صحیح سمجھتا ہے تو وہ بلاشبہ اس کی تبلیغ کا حق رکھتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتا ہے، اس پر ایمان لانے کی دعوت دے سکتا ہے مگر اعتقاد کے سوال کو اخلاق اور اعمال کے حدود پر وسیع کرنا۔ اور اخلاق کی فضیلت سیرت کی پاکیزگی اعمال کی بہتری کو ایمان پر منحصر کر دینا کہاں تک درست ہے؟

بظاہر یہ اعتراض اتنا وزنی ہے کہ بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو کر اسلام کے اصول میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، مگر ایمان کی حقیقت اور سیرت و کردار سے اس کے تعلق کو سمجھ لینے کے بعد یہ اعتراض خود بخود دفع ہو جاتا ہے۔

اعراض کی تحقیق | سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ افراد نوع بشری کے درمیان خوب و شر کا امتیاز دراصل دو جداگانہ بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک پیدائشی سرشت جس کا حسن و قبح انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ دوسرے اکتساب جس کا نیک یا بد ہونا عقل و فکر اور اختیار و ارادہ کے صحیح یا غلط استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ دونوں امور انسانی زندگی میں اپنی تاثیرات کے لحاظ سے باہم اس قدر خلط ملط ہیں کہ ہم ان کو اور ان کی تاثیرات کے حدود کو ایک دوسرے سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ مگر نظری

آتنا ضرور جانتے ہیں کہ انسان کی حیات فکر و عمل میں حسن و قبح کی یہ دونوں بنیادیں الگ الگ موجود ہیں جو حسن و قبح سرشت کی بنیاد پر رہے وہ اپنی اصل کے لحاظ سے میزانِ عدل میں کسی وزن کا متحق نہیں ہو سکتا۔ وزن صرف اس حسن و قبح کو حاصل ہونا چاہئے جو اکتساب کی بنیاد پر ہے تعلیم، ملقین، تہذیب کے لئے جتنی کوششیں کی جاتی ہیں ان سب کا تعلق پہلی بنیاد (یعنی پیدائشی سرشت) سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے حسن کو قبح یا قبح کو حسن سے بدلنا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کا تعلق دوسری بنیاد (اکتساب) سے ہے جس کی رہنمائی صحیح تعلیم اور صحیح تربیت کے ذریعہ سے حسن کی جانب، اور غلط تعلیم اور غلط تربیت کے ذریعہ سے قبح کی جانب کی جا سکتی ہے۔ اس اصل کے لحاظ سے جو شخص انسان کی اکتسابی قوتوں کو حسن کی طرف پھیرنا اور اسی راہ میں ترقی دینا چاہتا ہو اس کے لئے صحیح طریق کار کیا ہو سکتا ہے یہی کہ انسان کو علم صحیح بخشنے اور اسی علم کی روشنی میں اس کے لئے ایک ایسا نظام تربیت وضع کرے جو اس کے اخلاق، سیرت، اور کردار کو، جہاں تک اس کا تعلق اکتساب سے ہے نہ کہ سرشت سے، ایک بہتر بلچے میں ڈھال سکتا ہو۔ اس باب میں علم کا تربیت پر مقدم ہونا لازمی ہے، اور کوئی صاحب عقل و دانش اس تقدم سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ علم ہی عمل کی بنیاد ہے علم صحیح کے بغیر کسی عمل کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے۔

اب علم کو کیجئے۔ علم کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق ہماری زندگی کے جزئیات سے ہے جس کو ہم مدہسوں میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، اور جو بے شمار علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو علم کلی، اور قرآن کی اصطلاح میں ”العلم“ کے نام سے موسوم ہے جس کا تعلق ہمارے معاملات سے نہیں بلکہ

وہ ٹھیک ہی بات ہے جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ لَا يَكْفُرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسَّعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲: ۲۸) یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی شے کا مکلف نہیں قرار دیتا۔ اس نے جو کچھ کسب کیا ہے اسی کا فائدہ اٹھایا۔ اور اس نے جو کچھ اکتساب کیا ہے اسی کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ ربی پیدائشی سرشت تو اللہ نے جس کو جیسی چاہی سرشت بخشی۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (۱۱: ۳) اور انسان کی زندگی میں اس کی سرشت اور اس کے اکتساب کا جتنا جتنا حصہ ہے۔ اس کو خدا خوب جانتا ہے کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى

”ہم“ سے ہے۔ جو اس سے بحث کرتا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ یہ دنیا جس میں ہم رہتے رہتے ہیں اس میں ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہم کو اور اس دنیا کو کس نے بنایا ہے؟ اس بنانے والے سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ ہمارے لئے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ (ہدیٰ اور صراطِ مستقیم) کیا ہے اور وہ ہمیں کیونکر معلوم ہو؟ ہمارے سفر حیات کی منزل مقصود کونسی ہے؟ علم کی ان دونوں قسموں میں سے یہی دوسری قسم اصل اور بنیاد کا حکم رکھتی ہے ہمارے تمام جزئی علوم اسی کی فرع ہیں، اور اسی علم کے صحیح یا غلط ہونے پر ہمارے تمام تخیلات اور عملات کی صحت یا غلطی کا دار و مدار ہے پس انسان کی تربیت و تہذیب کے لئے جو نظام بھی وضع کیا جائیگا اس کی بنیاد اسی علم کلی پر قائم ہوگی اگر علم کلی صحیح ہوگا تو تہذیب و تربیت کا نظام بھی صحیح ہوگا اور اگر اس علم میں کوئی خرابی ہوگی تو لازماً اس خرابی سے تہذیب و تربیت کا نظام بھی خراب ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں خدا، ملائکہ، کتب، رسل، اور یومِ آخر کے متعلق جو معتقدات پیش کئے گئے ہیں وہ اسی علم کلی سے متعلق ہیں، اور ان پر ایمان لانا ایک مطالبہ اس قدر شدت سے اسی لئے کیا گیا ہے کہ اسلام کا نظام تہذیب و تربیت اسی علم پر مبنی ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان کی اکتسابی قوتوں کی تربیت اور تہذیب کا وہی نظام صحیح ہے جو صحیح علم کلی پر قائم ہو کسی علم کلی کے بغیر جو نظام قائم کئے گئے ہیں، یا جن کی بنیادیں صحیح علم پر نہیں رکھی گئی ہیں وہ اصلاً غلط ہیں، ان کے تحت انسان کی اکتسابی قوتیں غلط راستوں پر ڈال دی گئی ہیں اور ان راستوں میں انسان کی جو مساعی صرف ہوتی ہیں وہ بظاہر کمزوری، ہی صحیح معلوم ہوتی ہوں، مگر حقیقت کے اعتبار سے ان کا مصرف غلط ہے، ان کا صحیح منزل مقصود کی جانب نہیں ہے، وہ کامیابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتیں اس لئے وہ ضائع ہو جانے والی ہیں، اور ان کا کوئی فائدہ انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف اپنے راستے کو ”صراطِ مستقیم“ کہتا ہے اور باقی تمام راستوں کو جو بلا علم یا غلط علم کی بنا پر اختیار کئے گئے ہیں چھوڑ دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِیْ (۱۹:۶)

اور اسی لئے اسلام کہتا ہے کہ جس کا ایمان صحیح نہیں ہے اس کے تمام اعمال بے نتیجہ ہیں اور وہ آخر کار نامراد رہنے والا ہے۔ وَمَنْ يَكْذُرْ بِاِيْمَانٍ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۱۱۵)

اسلام نے جو ایمانیا پیش کئے ہیں وہی اس کے نزدیک عین علم عین حق عین صدق، عین ہدایت، او عین نور ہیں اور جب وہ ایسے ہیں تو لازماً ان کے خلاف جتنے معتقدات ہیں وہ عین جہل عین باطل عین کذب، عین فسادات اور عین ظلمات ہونے چاہئیں۔ اگر اسلام ان کو چھوڑ دینے کا مطالبہ اس قدر شدت کے ساتھ نہ کرنا، اور اگر وہ ان غلط معتقدات کے قائلین کو صحیح ایمان رکھنے والوں کے برابر درجہ دینا تو گویا وہ اس امر کا اقرار کرتا کہ اس کے ایمانیا ت عین حق نہیں ہیں، اور اس کو ان کے صدق اور ہدایت اور نور ہونے کا خود ہی پورا یقین نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کا ان ایمانیا کو پیش کرنا، اور ان کی بنا پر تربیت و تہذیب کا ایک نظام وضع کرنا اور اس نظام میں شامل ہونے کے لئے لوگوں کو دعوت دینا سب بے معنی ہوتا۔ اس لئے کہ اگر وہ یہ تسلیم کر لیتا کہ اس علم کلی کے خلاف دوسرے علوم بھی اسی کی طرح صحیح ہیں، یا سرے سے کسی علم کلی کے مفقود ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اس علم کلی کو پیش کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دینے میں کوئی معنویت باقی نہ رہتی۔ اسلئے اگر وہ یہ ان لیتا کہ اس علم کے خلاف دوسرے علوم کی بنا پر یا کسی علم کلی کے بغیر تہذیب و تربیت کے جو نظام وضع کئے گئے ہیں، ان کے ذریعہ سے بھی انسان فلاح پا سکتا ہے تو پھر نظام اسلامی کے اتباع کی طرف دعوت دینے میں کوئی زور نہ ہوتا۔

علماء ہرین اگر وہ بحث آپ کے ذہن میں تازہ ہے جو جب کی اشاعت میں ایمان کی حقیقت پر کی گئی بنا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے ایمان پر اس قدر زور کیوں دیا ہے؟ تخیل کی دنیا میں رہنے والے ریت پر پانی پر بلکہ ہوا پر بھی قصر تعمیر کر سکتے ہیں، مگر اسلام ایک حکیمانہ مذہب ہے وہ تہذیب و تربیت کی عمارت بودی بنیادوں پر تعمیر نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے پہلے انسان کی روح اور اس کے قوای فکری

کی گہرائیوں میں مضبوط بنیادیں قائم کرتا ہے پھر ان پر ایک ایسی عمارت بناتا ہے جو کسی بلا سے نہیں ہل سکتی وہ سب سے پہلے یہ بات انسان کے ذہن نشین کرتا ہے کہ تیرے اوپر ایک خدا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں تیرا حاکم ہے جس کی حکومت سے تو کسی طرح نہیں نکل سکتا، اور جس کے علم سے تیری کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے اس نے تیری ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے، اور رسول کے ذریعہ سے تجھ کو وہ کتاب اور وہ شریعت بھیجی ہے جس کے اتباع سے تو اس عالم حقیقی کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اگر تو اس کے خلاف عمل کر گیا تو خواہ تیری خلافت درازی کیسی ہی دھنکی چھپی ہو، وہ حاکم ضرور تیری گرفت کر لے گا اور تجھے سزا دے بغیر نہ رہے گا۔ یہ نقش انسان کے دل پر گہرا بٹھا دینے کے بعد وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ امر و نہی کے احکام دیتا ہے، اور اسی نقش ایمانی کی قوت سے اپنی تعلیم کا اتباع اور اپنے احکام کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ نقش جتنا گہرا ہوگا، اتباع اتنا ہی کامل ہوگا۔ اطاعت اتنی ہی مضبوط ہوگی، اور نظام تہذیب و تربیت اتنا ہی طاقتور ہوگا۔ اور اگر یہ نقش کمزور ہو، یا سرے سے موجود ہی نہ ہو، یا اس کے بجائے کچھ دوسرے اقوال و پرچے ہوئے ہوں تو تعلیم اخلاق محض نقش بر آب ہوئی، امر و نہی کے احکام بالکل بے زور اور برباد ہوں گے، تہذیب و تربیت کا سارا نظام بچوں کا ایک گھر و ندامت گاہ، جس کے قیام و دوام کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ خوشنما ہو، وسیع ہو، بلند ہو، مگر اس میں استحکام کہاں؟ اس بات کو قرآن حکیم میں ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔

الْمَثَلُ لِلنَّاسِ لَمَّا يَنْظُرُونَ
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا
كُلُّ حَبِيلٍ فَإِنَّ رَبِّهَا رَئِيفٌ ذَلِيلٌ
الْمَثَلُ لِلنَّاسِ لَمَّا يَنْظُرُونَ
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا
كُلُّ حَبِيلٍ فَإِنَّ رَبِّهَا رَئِيفٌ ذَلِيلٌ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کسی سال دی ہے؟ کلمۃ طیبۃ (اعتقاد صحیح) کو یا ایک اچھا درخت ہے جس کی جڑ خوش جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے ہمہ وقت پھل لاتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ توبہ کر سکیں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ
 اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ
 قَرَارٍ - يَثْبُتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِآثَقِ
 الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ
 وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيُفَعِّلُ اللَّهُ
 مَا يَشَاءُ (۱۴ : ۴) -

اور کلمہ زہیثہ (اعتقاد باطل) کی مثال ایک خراب
 درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھڑا جاتا
 ہے، کوئی جاؤ اور مضبوطی ہی نہیں رکھتا۔ اللہ ایمان
 والوں کو ایک قول ثابت (پکے اعتقاد) کے ساتھ دنیا
 اور آخرت دونوں زندگیوں میں استحکام بخشتا ہے اور
 ظالموں کو یونہی بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے

(بانی)